ثواب حضور کی نذر کرونگا۔ اُدھر سفرِ حج کا وہ اشتیاق اور اِدھر حج کے ثواب کی یہ بیقدری۔

قناعت

غم کھانے میں بودا دلِ ناکام بہت ہے　　یہ رنج کہ کم ہے مے گلفام بہت ہے
کہتے ہوئے ساقی سے حیا آتی ہے مجھکو　　ہے یوں کہ مجھے دُردِ تہِ جام بہت ہے

یعنی قناعت کا تو یہ حال ہے کہ شراب کی تلچھٹ بھی میرے لئے کافی ہے مگر اس خیال سے کہ ساقی مجھے ذلیل اور کم ہمت اور قانع ہیچ نہ سمجھے اُسپر یہ بات ظاہر نہیں ہونے دیتا۔

قناعت

نے تیر کماں میں ہے نہ صیاد کمیں میں　　گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے

یعنی جو شخص گمنامی اور کس مپرسی کی حالت میں ہوتا ہے اُسکا کوئی دشمن اور بدخواہ نہیں ہوتا ساری خرابیاں شہرت اور اقتدار اور نام و نمود کے ساتھ وابستہ ہیں۔

بلا سے گر مژۂ یار تشنۂ خوں ہے　　رکھوں کچھ اپنی بھی مژگانِ خوں فشاں کیلئے
وہ زندہ ہم ہیں کہ ہیں روشناسِ خلق اے خضر　　نہ تم کہ چور بنے عمرِ جاوداں کے لئے
مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغِ اسیر　　کرے قفس میں فراہم خس آشیاں کے لئے

اس سے زیادہ کوشش کی بیحقی کسی پیرائے میں بیان نہیں ہو سکتی۔

شوخی

گدا سمجھکے وہ چپ تھا مری جو شامت آئے　　اُٹھا اور اُٹھکے قدم میں نے پاسباں کیلئے

اُردو غزل میں ایسے بلیغ اشعار شاید دو ہی چار اور نکلیں گے۔ مولانا آزردہ جو مرزا کی طرز کو نام رکھتے تھے وہ بھی اس شعر کے اندازِ بیان پر پروانہ تھے۔ ہمنے مقدمہ میں بھی اس شعر پر کچھ ریمارک کیا ہے یہاں اُسکی ایک اور خوبی کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ جو واقعہ مرزا نے اس شعر میں بیان کیا ہے اسمیں دو باتوں کی تصریح کرنی ضرور تھی ایک یہ کہ پاسبان نے قائل کے ساتھ کیا سلوک

کیا دوسرے یہ کہ قائل پاسبان سے چاہتا کیا تھا سو یہ دونو باتیں بصراحت بیان نہیں کی گئیں صرف کنایہ میں ادا کی گئی ہیں مگر صراحت سے زیادہ وضوح کے ساتھ فوراً سمجھ میں آجاتی ہیں۔ پہلی بات پر لفظ شامت اور دوسری پر قدم لینا صاف دلالت کرتا ہے۔ اِسکے سوا روزمرہ کی نشست اور الفاظ کی بندش اور ایک وسیع خیال کو دو مصرعوں میں ایسی خوبی سے ادا کرنا کہ نثر میں بھی اُس طرح ادا کرنا مشکل ہے یہ سب باتیں نہایت تعریف کے قابل ہیں۔

اس غزل کے اخیر میں چند شعر نواب فرخ آباد کی مدح میں لکھے ہیں جنھوں نے مرزا کو نہایت اشتیاق کے ساتھ فرخ آباد میں بلایا تھا مگر غالباً مرزا کا وہاں جانا نہیں ہوا اُن مدحیہ اشعار میں سے صرف دو شعر اس مقام پر لکھے جاتے ہیں۔

دیا ہے اور کو بھی تا اُسے نظر نہ لگے　　بنا ہے عیش تجمّل حسین خاں کے لئے
زمانہ عہد میں ہے اُسکے محوِ آرائش　　بنیں گے اور ستارے اب آسماں کے لئے

قطعات

قطعہ ۱

یہ وہ قطعہ ہے جو مرزا نے بادشاہ کی حضور میں اس درخواست سے گذرانا تھا کہ اُنکی تنخواہ جو ششماہی گذرنے پر ملا کرتی تھی چھٹے مہینے کی ملا کرتی تھی وہ ماہ بماہ ملا کرے چنانچہ اس درخواست کے موافق تنخواہ ماہ بماہ ملنے لگی تھی۔

اے شہنشاہِ آسماں اورنگ　　اے جہاندارِ آفتاب آثار

تھا میں اک بینوائے گوشہ نشیں
تھا میں اک دردمندِ سینہ فگار

تم نے مجھکو جو آبرو بخشی
ہوئی میری وہ گرمیِ بازار

کہ ہوا مجھ سا ذرۂ ناچیز
روشناسِ ثوابت و سیار

گرچہ ازروئے ننگ بے ہنری
ہوں خود اپنی نظر میں اتنا خوار

کہ گر اپنے کو میں کہوں خاکی
جانتا ہوں کہ آئے خاک کو عار

شاد ہوں لیکن اپنے جی میں کہ ہوں
بادشہ کا غلام کارگذار

خانہ زاد اور مرید اور مداح
تھا ہمیشہ سے یہ عریضہ نگار

بارے نوکر بھی ہو گیا صد شکر
نسبتیں ہو گئیں مشخص چار

نہ کہوں آپ سے تو کس سے کہوں
مدعائے ضروری الاظہار

پیر و مرشد! اگرچہ مجھکو نہیں
ذوقِ آرایشِ سر و دستار

کچھ تو جاڑے میں چاہیے آخر
جسم رکھتا ہوں۔ ہے اگرچہ نزار

کچھ خریدا نہیں ہے ابکے سال
کچھ بنایا نہیں ہے ابکی بار

رات کو آگ اور دن کو دھوپ
بھاڑ میں جائیں ایسے لیل و نہار

آگ تاپے کہاں تلک انسان
دھوپ کھاوے کہاں تلک جاندار

دھوپ کی تابش آگ کی گرمی
وقنا ربنا عذاب النار

⁂ بادشاہ کی ملازمت سے پہلے بھی مرزا کی آمد و رفت قلعہ میں جاری تھی اور مدحیہ قصیدے برابر بادشاہ کے ہاں گذرانتے تھے اور خلعت پاتے تھے ۱۲

میری تنخواہ جو مقرر ہے
اُس کے ملنے کا ہے عجب ہنجار

رسم ہے مُردے کی چھ ماہی ایک
خلق کا ہے اسی چلن پہ مدار

مجھکو دیکھو کہ ہوں بقیدِ حیات
اور چھ ماہی ہو سال میں دو بار

بسکہ لیتا ہوں ہر مہینے قرض
اور رہتی ہے سود کی تکرار

میری تنخواہ میں تہائی کا
ہو گیا ہے شریک ساہوکار

آج مجھ سا نہیں زمانے میں
شاعرِ نغز گوئے خوش گفتار

رزم کی داستان گر سُنیے
ہے زباں میری تیغِ جوہر دار

بزم کا التزام گر کیجے
ہے قلم میری ابرِ گوہر بار

ظلم ہے گر نہ دو سخن کی داد
قہر ہے گر کرو نہ مجھکو پیار

آپ کا بندہ اور پھروں ننگا
آپ کا نوکر اور کھاؤں اُدھار

میری تنخواہ کیجے ماہ بماہ
تا نہ ہو مجھکو زندگی دشوار

ختم کرتا ہوں اب دعا پہ کلام
شاعری⁂ سے نہیں مجھے سروکار

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

قطعہ ۲

گو ایک بادشاہ کے سب خانہ زاد ہیں
دربار دار لوگ بہم آشنا نہیں

⁂ شاعری سے مراد یہاں صنعت شاعرانہ ہے چونکہ یہ قطعہ مرزا نے اپنے خاص طرز کے خلاف بہت سیدھا سادہ لکھا ہے تو دعا بھی ایسی ہی سیدھی سادی ہے جسمیں کسی طرح کی صنعت شاعرانہ نہیں ہے ۱۲

کانوں پہ ہاتھ رکھتے ہیں کرتے ہوئی سلام　　ہے اس سے یہ مراد کہ ہم آشنا نہیں

بادشاہ کے دربار کا یہ داب تھا کہ آپس میں جو وہاں ایک دوسرے کو سلام کرتے تھے تو ماتھے پر ہاتھ رکھنے کی جگہ دایاں ہاتھ دائیں کان پر رکھ لیتے تھے۔ چونکہ اُردو محاورے میں کانوں پر ہاتھ دھرنے کے یہ معنی ہیں کہ ہم آشنا نہیں اس لئے مرزا نے اُسکو اس پیرائے میں بیان کیا ہے۔

قطعہ ۳

نہ پوچھ اسکی حقیقت۔ حضور والا نے　　مجھے جو بھیجی ہے بیسن کی روغنی روٹی

نہ کھاتے گیہوں۔ نکلتے نہ خلد سے باہر　　جو کھاتے حضرتِ آدم یہ بیسنی روٹی

جب بادشاہ کوئی عمدہ چیز پکواتے تھے تو اکثر مصاحبین اور اہلِ دربار کے لئے بطور اولوش کے بھیجا کرتے تھے اُسکے شکریے میں کبھی کبھی مرزا کوئی قطعہ یا رباعی بادشاہ کے حضور میں گذرانتے تھے یہ قطعہ بھی اُسی قبیل کا ہے۔

جسوقت چوبدار بادشاہی یہ اولوش لیکر آیا ایک باہر کا رہنے والا طالب علم۔ جو مرزا سے کچھ پڑھا کرتا تھا موجود تھا۔ چوبدار کے چلے جانے کے بعد اُسنے مرزا سے متعجب ہو کر پوچھا کہ بیسنی روٹی ایسی کیا نادر چیز ہے کہ بادشاہ کی سرکار سے بطور اولوش کے تقسیم ہوتی ہے؟ مرزا نے کہا " ارے احمق! چنا وہ چیز ہے کہ اسنے ایکدفعہ جناب الٰہی میں فریاد کی تھی کہ دنیا میں مجھپر بڑے ظلم ہوتے ہیں، مجھے دلتے ہیں، پیستے ہیں، بھونتے ہیں، پکاتے ہیں، اور مجھسے سیکڑوں کھانے کی چیزیں بنا کر کھاتے ہیں۔ جیسا مجھپر ظلم ہوتا ہے ایسا کسی پر نہیں ہوتا۔ وہاں سے حکم ہوا کہ اے چنے تیری خیر اسی میں ہے کہ ہمارے سامنے سے چلا جا ؛ ورنہ ہمارا بھی یہی جی چاہتا ہے کہ تجھکو کھا جائیں "

قطعہ ۴

افطارِ صوم کی کچھ اگر دستگاہ ہو　　اُس شخص کو ضرور ہے روزہ رکھا کرے

جس پاس روزہ کھولکے کھانے کو کچھ نہو　　روزہ اگر نہ کھاوے تو ناچار کیا کرے

مرزا ایک خط میں لکھتے ہیں کہ یہ قطعہ بھی رمضان کے مہینے میں بادشاہ کی حضور میں پڑھا گیا تھا جسکو سنکر بادشاہ اور تمام مصاحبین جو دربار میں موجود تھے بے اختیار ہنس پڑے۔

قطعہ ۵

سہل تھا مسہل ولے یہ سخت مشکل آپڑی　　مجھپہ کیا گذریگی اتنے روز حاضر بن ہوئے

تین دن مسہل سے پہلے تین دن مسہل کے بعد　　تین مسہل تین تبریدیں یہ سب کے دن ہوئے

ایک شعر میں مسہل کے اِن تمام دنوں کی تفصیل جنمیں حکیم چلنے پھرنے کو منع کرتے ہیں کس عمدگی سے بیان کی ہے یہ قطعہ دربار کی غیر حاضری کے عذر میں لکھا ہے۔

قطعہ ۶

سیہ گلیم ہوں لازم ہے میرا نام نہ لے　　جہاں میں جو کوئی فتح و ظفر کا طالب ہے

ہوا نہ غلبہ میسر کبھی کسی پہ مجھے　　کہ جو شریک ہو میرا شریکِ غالب ہے †

رباعیات

رباعی ۱

تشکل ہے زبس کلام میرا اے دل　　سُن سُنکے اُسے سخنورانِ کامل

† شریکِ غالب اُس شریک کو کہتے ہیں جسکا حصہ دوسرے شریکوں سے غالب ہو۔ شریکِ غالب کے لفظ میں جو لطف ہے وہ ظاہر ہے۔

آساں کہنے کی کرتے ہیں فرمائش　　گویم مشکل وگرنگویم مشکل

اِس اخیر کے مصرع میں دو معنی پیدا ہوگئے ہیں ایک یہ کہ اگر اُنکی فرمائش پوری کروں اور آسان شعر کہوں تو یہ مشکل ہے کہ اپنی طبیعت کے اقتضا کے خلاف ہے اور آسان نہ کہوں تو یہ مشکل ہے کہ وہ بُرا مانتے ہیں اور دوسرے لطیف معنی یہ ہیں کہ اِس باب میں صاف صاف بات کہتا ہوں تو سخنورانِ کامل کی نافہمی اور کُند ذہنی ظاہر کرنی پڑتی ہے اور اگر صاف صاف نہ کہوں تو آپ ملزم ٹھیرتا ہوں پس یہ طرح مسکل ہے

رباعی ۲

بھیجی ہے مجھے جو شاہِ جم جاہ نے دال　　ہے لطف و عنایتِ شہنشاہ پہ دال

یہ شاہ پسند دال بے بحث و جدال　　ہے دولت و دین و دانش و داد کی دال

بادشاہ کے ہاں مونگ کی دال پکا کرتی تھی جو بادشاہ پسند کہلاتی تھی یہ رباعی اُسکے شکریہ میں لکھی گئی ہے

رباعی ۳

حق شہ کی بقا سے خلق کو شاد کرے　　تا شاہ شیوعِ دانش و داد کرے

یہ دی جو گئی ہے رشتۂ عمر میں گانٹھ　　ہے صفر کہ افزائشِ اعداد کرے

رباعی ۴

ہم گرچہ بنے سلام کرنے والے　　کرتے ہیں درنگ کام کرنے والے

کہتے ہیں کہیں خدا سے۔ اللہ اللہ!!!　　وہ آپ ہیں صبح و شام کرنے والے

اِس رباعی میں مرزا نے غایت درجہ کی شوخی کی ہے جو بالکل اچھوتی اور نئی طرح کی ہے کہتا ہے کہ ہم ہرچند دربار کے با اختیار لوگوں کو جُھک جُھک کر سلام کرتے ہیں مگر وہ ہماری کامروائی میں درنگ

اور لیت و لعل کرتے ہیں۔ ہم اپنے دل میں کہتے ہیں کہ آؤ خدا ہی سے کہیں پھر یہ خیال آتا ہے کہ اللہ اللہ کرو وہ تو آپ ہی صبح و شام کرنے والے ہیں۔ صبح و شام کرنا لیت و لعل کرنے کو کہتے ہیں چونکہ صبح کو شام کرنا اور شام کو صبح کرنا خدا کا کام ہے تو خدا کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ وہ صبح و شام کرنے والے ہیں۔ مگر شاعر کا اصل مقصود یہی ہے کہ کامروائی خلق میں جیسی لیت و لعل وہاں ہوتی ہے ایسی کہیں نہیں ہوتی کہ اکثر ساری عمر امید ہی میں گذر جاتی ہے اور مطلب حاصل نہیں ہوتا۔

رباعی ۵

سامانِ خور و خواب کہاں سے لاؤں　　آرام کے اسباب کہاں سے لاؤں

روزہ مرا ایمان ہے غالب لیکن　　خس خانہ و برفاب کہاں سے لاؤں

یہ رباعی بھی اُسی قطعہ کے ساتھ جس میں روزے کا مضمون باندھا ہے دربار میں پیش کی گئی تھی۔

رباعی ۶

کہتے ہیں کہ اب وہ مردم آزار نہیں　　عشاق کی پرسش سے اُسے عار نہیں

جو ہاتھ کہ ظلم سے اٹھایا ہوگا　　کیونکر مانوں کہ اُس میں تلوار نہیں

یہ رباعی عاشقانہ ہے اور بالکل نیا مضمون ہے ظلم سے ہاتھ اُٹھانا اُس سے دست بردار ہونا اور اُسکو ترک کرنا باقی الفاظ کے معنی ظاہر ہیں۔

رباعی ۷

اِن سیم کے بیجوں کو کوئی کیا جانے　　بھیجے ہیں جو ارمغاں شہ والا نے

گِن کر دیویں گے ہم دعائیں سو بار　　فیروزے کی تسبیح کے ہیں یہ دانے

بادشاہ نے سیم کے بیجوں کا سالن بھیجا ہے؛ اُنکے شکریے میں یہ رباعی لکھی ہے۔ بڑا فیروزہ جو بیضوی شکل کا ہوتا ہے وہ سیم کے بیج سے بہت مشابہ ہوتا ہے۔

نثرِ اردو

معلوم ہوتا ہے کہ مرزا سنہ ۱۸۵۰ء تک ہمیشہ فارسی میں خط کتابت کرتے تھے؛ مگر سنہ مذکور میں جبکہ وہ تاریخ نویسی کی خدمت پر مامور کیے گئے، اور ہمہ تن مہر نیمروز کے لکھنے میں مصروف ہوگئے؛ اُسوقت بضرورت اُنکو اُردو میں خط کتابت کرنی پڑی ہوگی۔ وہ فارسی نثریں اور اکثر فارسی خطوط جن میں قوتِ تخیلہ کا عمل اور شاعری کا عنصر نظم سے بھی کسی قدر غالب معلوم ہوتا ہے نہایت کاوش سے لکھتے تھے۔ پس جب اُنکی ہمت مہر نیمروز کی ترتیب و انشا میں مصروف تھی ضرور ہے کہ اُسوقت اُنکو فارسی زبان میں خط کتابت کرنی۔ اور وہ بھی اپنی طرزِ خاص میں۔ شاق معلوم ہوئی ہوگی۔ اسلئے قیاس چاہتا ہے کہ اُنھوں نے غالباً سنہ ۱۸۵۰ء کے بعد سے اُردو زبان میں خط لکھنے شروع کئے ہیں۔ چنانچہ وہ ایک خط میں لکھتے ہیں کہ "زبان فارسی میں خطوں کا لکھنا پہلے سے متروک ہے۔ پیرانہ سری اور ضعف کے صدموں سے محنت پژوہی اور جگرکاوی کی قوت مجھ میں نہیں رہی حرارتِ غریزی کو زوال ہے اور یہ حال ہے

مضمحل ہوگئے قویٰ غالب　　اب عناصر میں اعتدال کہاں"

غالباً اُردو زبان میں تحریر اختیار کرنے کو مرزا نے اول اول اپنی شان کے خلاف سمجھا ہوگا۔ مگر بعض اوقات انسان اپنے جس کام کو حقیر اور کم وزن خیال کرتا ہے وہی اُسکی شہرت اور قبولیت کا باعث ہوجاتا ہے۔ جہاں تک دیکھا جاتا ہے مرزا کی عام شہرت ہندوستان میں جس قدر اُنکی

اُردو نثر کی اشاعت سے ہوئی ہے ویسی نظمِ اُردو اور نظمِ فارسی اور نثرِ فارسی سے نہیں ہوئی۔ اگرچہ لوگ عموماً مرزا کو فارسی کا بہت بڑا شاعر جانتے تھے؛ اور اُنکے اُردو دیوان کو بھی ایک عالی رتبہ کلام عام افہام سے بالاتر سمجھتے تھے؛ مگر لوگوں کا ایسا خیال کرنا محض تقلیداً تھا نہ تحقیقاً۔ وہ خود اپنے ایک مرتبہ دان اور پایہ شناس دوست کو خط میں لکھتے ہیں "میرے فارسی قصیدے کہ جنپر مجھکو ناز ہے کوئی اُنکا لطف نہیں اُٹھاتا مگر بطریق اذعان کہ یہ شخص فارسی خوب کہتا ہے داد سخن کہاں اور ادراک پایۂ معنی کہاں؟ تاریخ تمرّیہ (یعنی مہر نیمروز) کے پانسات جزو جو آپکے پاس بھیجے ہیں میری خاطر نہ کیجیے؛ انصاف سے کہیئے کہ یہ نثر کہیں اور ہے؟ اور پھر اُس نثر کا کوئی مشتاق نہو"

اگرچہ مرزا کی اُردو نثر کی قدر بھی جیسی کہ چاہیئے ویسی نہیں ہوئی۔ چنانچہ بعض افضل تحریروں میں دیکھا گیا کہ اُردوئے معلّیٰ اور بوستانِ خیال کی عبارت کو ایک مرتبے میں رکھا گیا ہے؛ لیکن پھر بھی مرزا کی اُردو نثر کے قدردان بہ نسبت ناقدردانوں کے ملک میں بہت زیادہ نکلیں گے۔

مرزا کی اُردو نثر میں زیادہ تر خطوط و رقعات ہیں؛ چند تقریظیں اور دیباچے ہیں؛ اور تین مختصر رسالے ہیں۔ جو برہانِ قاطع کے طرفداروں کے جواب میں لکھے ہیں؛ لطائفِ غیبی، تیغِ تیز اور نامۂ غالب۔ اسکے سوا چند اجزا ایک ناتمام قصے کے بھی ہیں۔ جو مرزا نے مرنے سے چند روز پہلے لکھنا شروع کیا تھا۔ اِن میں سب سے زیادہ دلچسپ اور لطف انگیز اُنکے خطوط ہیں جنمیں سے زیادہ تر اُردوئے معلّیٰ میں اور اُس سے کم عودِ ہندی میں جمع کرکے چھپوائے گئے ہیں۔ اور بہت سے خطوط اِن دونو کتابوں کی اشاعت کے بعد دستیاب ہوئے ہیں۔ جو اب تک شائع نہیں ہوئے۔ مگر عنقریب بعض احباب کا ارادہ اُنکے چھپوانے کا ہے۔